© rasailojaraid.com

Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 37, Sr.No.103, 2016 pp 145 - 156

مجلّہ تحقیق
مجلّہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد ۳۷، اپریل۔جون ۲۰۱۶ء، شمارہ ۱۰۳

مسرت لغاری کے افسانہ ''معمولی باتیں'' اور غلام عباس کے افسانہ ''سفید وسیاہ'' کا تانیثی مطالعہ

منزہ مبین☆

Abstract:

Novels, stories or poetry can hardly be imagined without mention of women.In the following artical, the researcher has attempted a feminist analysis of Musarrat Laghari's stories, Mamooli Batien and Ghulam Abbas' s Safied-o-siyah. Women is the common theme of these two stories.The central concern of the authors is the women and matters related to their lives.Despite the fact that one story is authoured by male and other by a female both the stories are appropriate represntations of feminist perspective.Given the thematic commonality of the stories, a feminist analysis has been carried out with an intention to discover the answer of these questions: What is role and social status of Women? If women is not happy with her role, what are its possible causes, what are the various issues faced by women?

تانیثی تحریک اور اس کے اغراض ومقاصد کو سمجھنے کے لیے یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ لفظ حقوق نسواں، تحریک نسواں، نسانیت یا اس جیسے دوسرے مختلف الفاظ جو عام طور سے عورتوں کے حقوق وشناخت کے اظہار

☆ لیکچرر، وویمن یونیورسٹی، صوابی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے اصطلاح کے طور پر استعمال کیے جاتے رہے ہیں۔ وہ انگریزی اصطلاح فیمنزم (Feminism) کے متبادل نہیں ٹھہرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان الفاظ کے معنی محدود ہیں اور ان سے اس احتجاج کی ترجمانی نہیں ہو پاتی جو آج اس تحریک کا عین مقصد ہے۔ اس لیے لفظ فیمنزم کے لیے اردو میں ''تانیثیت'' کا لفظ ہی موزوں ہے جو اس تحریک کے اغراض و مقاصد کی ترجمانی کرتا ہے۔ مغرب میں تانیثیت کا آغاز انیسویں صدی کی آخری دہائی میں ہوا، یورپ اور امریکہ میں خواتین نے ووٹ دینے کے حق کے لیے تحریک چلائی۔ اس تحریک کا اثر دنیا کے کئی ممالک پر بھی پڑا۔ ووٹ ڈالنے کا حق اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ ایک عورت مکمل شہری ہے اور قانون ساز اسمبلیوں میں نمائندے بھیجنے کا حق رکھتی ہے، بنیادی حقوق کی بات کی گئی۔ بیسویں صدی کے نصف میں بات بنیادی حقوق سے زندگی کے تمام شعبہ جات میں برابری کی سطح پر چلی گئی یعنی جنسی برابری کے اصول پر عورتوں کے حقوق کی تائید کرنا۔ ۱۹۷۲ میں بنکاک میں سیمینار ہوا جس میں فیمینزم کے دو مقصد بیان کیے گئے۔ ایک تو یہ کہ صرف برابری ہی استحصال سے آزادی نہیں بلکہ گھر اور گھر سے باہر کی زندگی میں خود مختاری اور اپنی پسند سے زندگی گزارنا۔ دوسرا مقصد یہ بیان کیا گیا کہ قومی و بین الاقوامی سطح پر خواتین کے خلاف ہر قسم کی نابرابری اور استحصال کو ختم کرنے کی مہم چلائی جائے۔ اس حوالے سے محمد حسن عسکری نے لکھا کہ

> ''جدید عورت کے مطالبات کی سب سے زیادہ رعب دار نمائندگی ہمارے زمانے میں سمون دبوووار نے کی ہے۔ ان کے نزدیک عورت تین سو سال سے ایک مقدس جہاد میں لگی ہوئی ہے، اور وہ چاہتی یہ ہے کہ مرد کی طرح اس کی بھی ایک الگ، مستقل اور آزاد شخصیت ہو۔'' (۱)

عالمی و علاقائی سطح پر تبدیلی کے لیے لائحہ عمل وضع کرنا۔ یوں تانیثیت عالم گیر مسئلہ بن گیا ہر معاشرے نے اپنے اپنے مسائل دیکھے اور اس کے مطابق اپنے کلچر کے ساتھ چلنے کی کوشش کی گئی۔ یوں یہ سیاسی تحریک رفتہ رفتہ ادب کا حصہ بننے لگی اور ادب میں اس کا اظہار فروغ پانے لگا۔ ہندوستان میں تانیثیت، اس خیال کی باقاعدہ ترجمانی ترقی پسند تحریک کے ساتھ شروع ہوئی۔ ''انگارے'' کی اشاعت سے تانیثی خیالات کے نقوش واضع ہوئے۔ ترقی پسند تحریک کے تحت طبقاتی نظام کو اجاگر کرنے کے باعث طبقہ نسواں کے مسائل فکشن میں زیادہ واضع ہو کر سامنے آئے مگر ساتھ ہی یہ بھی ہوا کہ طبقاتی کشمکش اور معاشی آزادی کے تصور کی بالا دستی نے آزادی نسواں کی آواز کو ابھرنے نہ دیا۔ اس سب صورتحال کے باوجود خواتین ادیب اپنی تحریروں میں کسی کسی نہ کسی طرح اظہار کی راہیں استوار کرتی رہیں۔ ترقی پسند تحریک کے تحت جو تخلیقات وجود میں آئیں ان میں کسی حد تک عورتوں کے مسائل کو دیکھنے، پرکھنے اور محسوس کرنے کے طریقہ کار میں کچھ تبدیلی رونما ہوئی۔ پریم چند، منٹو، عصمت، بیدی وغیرہ نے بیباکی سے مسائل اجاگر کیے۔ ان کا یہ عمل روایت سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بغاوت تھا لیکن ان کی تخلیقات میں بھی عورت اپنی حدود سے باہر نہیں جا سکتی ہے، ان کا نہ کوئی میدان عمل ہے نہ مقصد زندگی، پدرانہ نظام والے معاشرے میں ایک دوسرے درجے کی شہری کے مانند، دکھوں سے نجات کا کوئی ذریعہ نہیں۔ تاہم تانیثیت نے وقت کے ساتھ ساتھ اپنے دائرہ عمل میں بہت وسعت پیدا کی اور معاصر علمی وادبی تحریکوں سے اخذ واکتساب کرتے ہوئے ایک کثیر الابعاد تحریک کا روپ اختیار کر لیا۔ اس طرح یہ صرف حقوق نسواں کے مطالعے تک محدود نہ رہی بلکہ پدری نظام، پدری نظام میں عورت کا مقام، جنس کی بنا پر تفریق، عورتوں کی زبان بندی، عورت کی نمائندگی، ادب میں عورت کی پیشکش، عورت کے تجربات، فکرو خیال اور عورت کے زاویہ نگاہ سے زندگی اور سماج کو دیکھنے اور سمجھنے جیسے اہم اور متنازع مباحث تانیثیت اور تانیثی مطالعے کا بنیادی جزو بن گئے۔

زندگی کے دیگر شعبوں کی طرح ادب میں بھی ایک طویل عرصے تک مرد ادیبوں کو برتری حاصل رہی۔ مرد اہل قلم نے عورتوں کے بارے میں جو افکار و خیالات پیش کیے وہی مقبول ہوتے رہے۔ مگر عہد حاضر میں تانیثیت کے مباحث زندگی کے دیگر شعبوں کے ساتھ ساتھ زبان و ادب میں بھی رواج پا گئے ہیں۔ ڈاکٹر عاصمہ سید اس حوالے سے لکھتی ہیں کہ

> ''میگی ہم (Maggie Hum) بائبل سے دو ہزار برس پہلے لکھی جانے والی ایک تحریر Inanna کا حوالہ دیتی ہیں جس میں ایک ایسی دیوی کے انجام کی کہانی پیش کی گئی ہے جس نے جنس سے متعلق ڈسکورس پر اعتراضات قائم کیے تھے۔ گزشتہ کئی دہائیوں میں تانیثی تنقید کی کایا پلٹ اس وجہ سے ہوئی ہے کہ اسے اندرونی سطح پر تنقید وتبصرہ اور بیرونی طور پر سخت حملوں کا مقابلہ کرنا پڑا ہے۔'' (۲)

اب اس کے دائرہ کار میں مردوں کی تحریروں کی تنقید اور عورتوں کی تحریروں کی توضیح کے ساتھ ساتھ یہ بحث بھی شامل ہے کہ آخر زبان کے ساتھ تعلق کا کیا مطلب ہے؟ کیا زبان غیر جانب دار ہے؟ اور ایسا لاتعلق آلہ ہے جس کو مختلف قسم کے سماجی اطوار کے مطابق ڈھالا جا سکتا ہے؟ اور اگر ایک زبان اپنے جلو میں بہت سے بہتر جہاں معنی پوشیدہ رکھتی ہے تو پھر عورتیں مرد مرکزی نظام کی زبان کیوں استعمال کریں؟ اور پھر یہ توقع بھی رکھیں کہ اس سے وہ بہتر جہاں کی تعمیر کر سکتی ہیں؟ کیا عورتیں ان حقوق کی زبان بولیں جو مردوں کے وضع کردہ ہیں؟ عورت کا سماج میں حقیقی مقام کیا ہے؟ عورت زندگی میں مختلف کردار بحیثیت ماں، بہن، بیٹی، دوست، ملازم وغیرہ نبھاتے ہوئے وہ جذباتی طور پر کہاں تک مطمئن ہے؟ یہی وجہ ہے کہ اب اردو ادب میں بھی متون کے تانیثی مطالعات کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے اور اردو تنقید میں متون کو تانیثی زاویہ نظر سے دیکھنے کی روش مقبول ہو رہی ہے۔

دنیا کی کسی بھی قوم یا کسی بھی زبان کا ادب اٹھا کر دیکھیں عورت ہمیشہ سے موضوع رہی۔ داستان، ناول، کوئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہانی بھی اس کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔ ذیل میں راقم الحروف نے مسرت لغاری کے افسانہ ''معمولی باتیں'' اور غلام عباس کے افسانے ''سفید وسیاہ'' کا تانیثی جائزہ لینے کی کوشش کی ہے۔ کیونکہ ان دونوں افسانوں کا مرکزی کردار ''عورت'' اور عورت کی زندگی سے وابستہ معاملات پر مشتمل ہیں۔ اس لحاظ سے دونوں کہانیاں تانیثی نقطہ نظر کی بہترین ترجمان ہیں۔ بحثیت خاتون اور بحثیت مرد افسانہ نگار کے اور یکساں موضوع ہونے کے سبب دونوں افسانوں کا تانیثی تجزیہ کرتے ہوئے مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات تلاش کرنے کی سعی کی جائے گی۔ کہانی میں عورت کا کردار اور سماجی حیثیت کیا ہے؟ عورت اگر اپنے کردار کو نبھاتے ہوئے خوش نہیں ہے تو اس کی وجوہات کیا ہیں؟ کہانی میں عورت کے جملہ مسائل کیا ہیں؟ کیا سٹیریو ٹائپ کردار پیش کیا گیا ہے؟ کیا عورت کی محض جسمانی پیشکش ہے یا اس کی اپنی بھی کوئی سوچ نمایاں ہے؟ کیا عورت کا کردار روایتی دیکھایا گیا ہے یا سماج سے بغاوت کے عناصر بھی ملتے ہیں؟

ہمارے معاشرے کا ایک عمومی رویہ یہ ہے کہ یہاں صنف نازک کے لیبل کی آڑ میں عورت کے وجود، اسکی حیثیت سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔ اسکی تمام تر صلاحیتوں سے چشم پوشی کی جاتی ہے نیتجتاً عورت کی زندگی کے تمام فیصلے مرد کی صوابدید پر منحصر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ڈاکٹر عصمت جمیل نے لکھا ہے کہ

> مردوں کی تحریریں عورت کے حقیقی مسائل کو پیش نہیں کر سکیں بلکہ عورت کی ظاہری صورت اور مرد کی اس سے وابستہ توقعات کو پیش کرتی رہیں۔ مرد نے اسے حیا کی دیوی لکھا۔ اس نے نظر اٹھا کر دیکھنا چھوڑ دیا۔ مرد نے اسے وفا کی پتلی لکھا۔ وہ ہر ظلم اور ہر بے وفائی کو اپنی وفا کا کمال سمجھ کر برداشت کرنے لگی۔ مرد نے اسے بے وفا، ہرجائی لکھا۔ وہ اپنی عصمت کا دربار سجانے لگی۔۔۔(۴)

اس بناء پر پدرسری معاشرے میں عورت کی زندگی کے بارے میں کچھ معیارات مقرر کر دیئے جاتے ہیں اور پھر ان کی تربیت بھی اسی انداز سے کی جاتی ہے۔ مثلاً لڑکیوں کی شادی کے حوالے سے دیکھا جائے تو تمام تر توجہ جلد از جلد فرض کی ادائیگی کی طرف مرکوز رہتی ہے، تعلیم کی طرف سے عدم توجہی، اور بچپن سے ہی لڑکیوں کی تربیت میں بھی یہ چیز شامل کر دی جاتی ہے کے ان کا اصل گھر ان کے شوہر کا ہے یوں ان کی زندگی کا مقصد صرف اور صرف شادی رہ جاتا ہے۔ اسی تربیت میں ایک عنصر یہ بھی شامل ہوتا ہے کہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوتے ہوئے اس کے ساتھی کا انتخاب اسکا باپ، بھائی یا خاندان کا کوئی اور مرد کرتا ہے۔ خود عورت کے پاس یہ اختیار نہیں ہوتا کہ وہ زندگی کے اہم ترین فیصلے میں اپنی پسند ناپسند کا اظہار کر سکے۔ معاشرے کے اس المیے کی ایک تصویر ہمیں افسانہ ''معمولی باتیں'' میں نظر آتی ہے۔ چودہ سال کی کمسن بیٹی ثریا جو زندگی اور اسکی پیچیدگیوں سے ناواقف ہے اس کا باپ فرض کی جلد از جلد ادائیگی کی صورت میں بغیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سوچے سمجھے ایسے آدمی سے جو کہ منشیات کا عادی ہوتا ہے اس سے بیٹی کی شادی کر دیتا ہے۔ دراصل معاشرے میں عورت کا پست مقام اور کم حیثیتی کی وجہ ہے کہ ان کے ساتھ جس قسم کا سلوک کیا جائے وہ اس رویے اور سلوک کا جائز سمجھتی ہیں۔

☆ ثریا جب بیٹی سے بیوی کے روپ میں جاتی ہے تو وہ اس صورت حال سے ناخوش ہوتی ہے۔ اس کی مختلف وجوہات ہیں اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ کم عمری کے سبب ناپختہ ہوتی ہے اور ذہنی و جسمانی طور پر شادی شدہ زندگی کی ذمہ داریاں اٹھانے کے لائق نہیں ہوتی، ہر سال بعد بچے کی پیدائش نے اسے جسمانی طور پر بہت نحیف کر دیا، شوہر کی گھریلو ذمہ داریوں کی طرف سے مسلسل غفلت، گھریلو ناچاقیاں ایسے عناصر ہیں جن کی بدولت وہ اپنی زندگی سے بیزار ہوتی ہے۔

☆ اس کہانی میں دیکھا جائے تو مرد کے برابری میں عورت سماجی رتبہ نہ ہونے کے باعث مختلف ذہنی و جسمانی مسائل کا شکار نظر آتی ہے۔ ڈاکٹر عابدہ انجم اس تناظر میں رقم طراز ہیں کہ

> "پدری نظام میں عورتوں کے تجربات، سماج میں مردوں کی حکومت کی طویل روایت جس نے عورتوں کی زباں بندی کی، ان کی زندگیوں کو مسخ کیا اور ان کے مسائل کو حاشیے کے غیر اہم مسائل کی طرح برتا۔ ایسے حالات میں کئی معنوں میں عورت ہونے کا مطلب تھا گویا اس کا وجود ہی نہیں۔۔۔۔" (۴)

مندرجہ بالا اقتباس کی روشنی میں دیکھا جائے تو اسی جنسی تفریق و تقسیم کی بنا پر زیر نظر افسانے میں یہی صورت حال نظر آتی ہے کہ عورت چھ بچوں کی کفالت اکیلے اس کے فرائض میں شامل ہوتی ہے۔ لوگوں کے گھروں میں کام کر کے وہ گھریلو اخراجات پورے کرنے کی کوشش کرتی ہے لیکن شوہر ہر ماہ اسکی تنخواہ مار پیٹ کے چھین لیتا اور ان پیسوں سے نشے کی عادت پوری کرتا، راتوں کو گھر دیر سے آنا اور آتے ہی بیوی بچوں کو مارنا پیٹنا شروع کر دینا، بھوک سے بچوں کو تڑپتا دیکھنا وغیرہ۔ مردانہ معاشرے کی نمایاں صفت ہے کہ عورت اس قسم کے مسائل کو بغیر کسی حیل و حجت وہ سہتی رہتی ہے اور کسی قسم کی مزاحمت نہیں کرتی۔ زبان بندی اور اس پر مرد اس اس طرز فکر کے جبر کی ترجمانی کر رہا ہے۔ افسانے میں ثریا نے اپنے جذبات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے

> جب گھر آتا تھا مجھے بالوں سے پکڑ کے جگا دیتا کہتا تم بیٹھ کے مجھے پنکھا جھلو......تم عورت ذات ہو......پوری رات میرے نحیف وجود پہ بوٹی کے نشے میں وحشی ہو کر دنگا فساد کرتا پوری رات سسک سسک کر جاگتی تھی...... ہر صبح غسل خانے نہیں جانے دیتا کہ پہلے مرد جائے گا......اسی طرح کھانا پہلے خود کھاتا پھر بچوں کو دیتا مجھے کہتا عورت آخر میں ہانڈی چاٹ پونچھ لیتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے.....سر کے بالوں برابر درد ہیں میرے۔(۵)

☆ تانیثیت کے تصورات کے تناظر میں جب اردو ادب کا مطالعہ کریں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ یہاں کے ادب میں عورت کا کردار سٹیریو ٹائپ ہی پیش کیا جاتا رہا ہے۔عورت مردوں کے طے کیے ہوئے فرائض کے لیے قربانیاں دیتی رہے گی اور ہمارے ادیب انھیں دیوی کا درجہ دیتے رہیں گے۔اس کے برعکس مردوں کی بے حسی، لاابالی پن اور مصنوعی فرض شناسی اور خود غرضی سے ایک طرح سے صرف نظر کیا گیا ہے بلکہ ان کے تئیں ایسا رویہ اختیار کیا گیا ہے گویا ان کو سماجی منظوری دی جارہی ہے کہ دیکھو مرد تو ہوتے ہی ایسی فطرت کے ہیں۔خاندان کی عزت، وقار، ذات برادری، سماج اور قوم، اخلاقی، مذہبی اور تہذیبی قدروں کے پرکشش الفاظ نے اس ناانصافی پر سونے کا ملمع چڑھا دیا۔مذہب کا سہارا لے کر جبر کے اس شکنجے کو کسا گیا عورتوں نے بھی ان قدروں کے آگے سر تسلیم خم کر دینے کے لیے ہر طرح کے ایثار کو فرض سمجھنا اپنا شعار بنالیا۔زیر نظر افسانہ ''معمولی باتیں'' میں افسانہ نگار اس نقطے کی غماز نظر آتی ہیں اور طنز کرتی دیکھائی دیتی ہیں کہ پدرانہ معاشرت عورت کو نفسیاتی سطح پر کیا سکھاتی ہے، مثلاً افسانے میں ثریا مرد و عورت کے رتبے کو ان الفاظ میں بیان کرتی ہے:

> مرد کی ذات تو ہمارے لیے خدا کی ذات ہوتی ہے اور خدا سے کون پوچھ سکتا ہے کہ وہ کیا کرتا ہے اور کیوں کرتا ہے؟ دنیا بھر میں ظلم اور ناانصافیاں دیکھی ہیں؟ کال، جنگیں، اور فاقے دیکھے ہیں؟ پر کون پوچھ سکتا ہے اس سے؟......(۶)

مندرجہ بالا اقتباس کی روشنی میں دیکھا جائے تو صنفی صفات کے تعین میں بدن کی لازمی مرکزیت پر خود تانیثی مفکروں کے درمیان اتفاق نہیں ہے، لیکن جو مفکرین بدن کو صنفی صفات کا منبع تصور کرتے ہیں ان کے یہاں بھی بدن کی لازمیت دو مختلف سطحوں پر مطالعے کا تناظر فراہم کرتی ہے۔ایک سطح تو خود جسم کی ہے یعنی بقول Judith Fetterely (عورت کا) جسم ہی (اس کا) مقدر ہے۔(۷) وہ جو کچھ کرتی یا جس انجام کو پہنچتی ہے صرف محض اپنے جسم کے تقاضوں یا اس کی مجبوریوں کے سبب ہی پہنچتی ہے۔سب کے مقدر کا خاکہ ان کے جسموں سے مرتب ہوتا ہے۔

☆ ہمارے معاشرے اور خاص طور پر ادب میں عورت کو زندہ، صاحب نظر، صاحب الرائے اور حساس انسان کے طور پر نہ دیکھا جاتا ہے نہ دیکھایا جاتا ہے۔ادب میں عورت کی شخصیت کا مکمل اظہار نہیں ملتا۔جسمانی پیشکش پر توجہ مرکوز کی جاتی ہے اسکی سوچ، فکر زمانے کو اپنے نقطہ نظر کے مطابق دیکھنے نیز تمام ذہنی صلاحیتوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔اور اگر کہیں اسکی اپنی سوچ کا عنصر نظر بھی آتا ہے تو وہ مردانہ سماج کے متعین کردہ اظہار معیارات سے ہم آہنگ دکھائی دیتا ہے۔افسانہ ''معمولی باتیں'' میں ہمیں اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے برعکس کچھ صورتحال نظر آتی ہے۔ یہاں عورت سوچتی بھی ہے اور اسکا اظہار بھی کرتی ہے مثال کے طور پر

میں خدا سے پوچھوں گی یہ کیسا ظلم ہے؟ تقدیر تو لکھتا ہے مار انسانوں کو پڑتی ہے آخر کیوں؟......

بڑے لوگ یہاں عیش کرتے ہیں اگلے جہاں دوزخ میں جلیں گے......بات تو برابر ہوگئی......

میری نیکی کا بدلہ کہاں گیا؟ میں تو کہتی ہوں خدا خود ہی سب کے ساتھ انصاف کر دیتا تو سارا لفڑا ہی کیوں ہوتا؟ بندے کی بات بندے پہ ڈال کے اس نے اچھا نہیں کیا......!(۸)

☆ زیرِ نظر افسانے میں بظاہر عورت کے روایتی کردار کی جھلک دکھائی دیتی ہے لیکن یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ وہی عورت جو سماج میں خاندان، خاندانی عزت، وقار کی وجہ سے اپنے ساتھ ہونے والے غیر مساویانہ سلوک کے خلاف آواز نہیں بلند کرتی۔ تقدیر کا لکھا مان کر تمام حالات کا ڈٹ کر سامنا کرتی ہے وہیں وہ عورت بغاوت کرتی بھی دیکھائی جاتی ہے۔ جب بیمار ہونے کے باعث وہ کام پر نہیں جا سکی اور گھر میں فاقے پڑ جاتے ہیں۔ اسی حوالے سے اختر حسین رائے پوری کا خیال ہے جس کا اظہار وہ اپنے افسانوں میرا گھر۔ محبت و نفرت میں کرتے ہیں کہ

''مرد اور عورت کے لیے دنیا کے رویے میں جو فرق ہے وہ روپے پیسے کی وجہ سے ہے۔''(۹)

یہی روپیہ عورت کی بے عزتی کا ذمہ دار ہے۔ یہی روپیہ نفسی تعیشات پر ابھارتا ہے۔ اس روپے کے لالچ میں بعض اوقات عورت کے سرپرست ہی اس سے پیشہ کرانے لگتے ہیں۔ یہ روپیہ ہی ضمیر سلانے کا کام کرتا ہے۔ اس روپے کے چکر میں ہی بعض اوقات صرف روٹیوں کے عوض اندھیری گلیوں میں ان کے جسم کی بوٹیاں تلتی ہیں۔ اس افسانے میں خاتون کے کردار کی تفصیلات کریہہ المنظر ہیں جنہیں پڑھ کر انسانیت سے اعتبار اٹھ جاتا ہے مثلاً جب وہ اپنے شوہر سے کہتی ہے کہ کچھ کما کر لاؤ بچے بھوک سے بلکتے ہوئے نہیں دیکھے جاتے، تو شوہر اسے کیا جواب دیتا ہے ملاحظہ کریں:

عورتوں کے کمانے کے کئی طریقے ہیں میری طرف سے تمھیں ہر طریقے کی اجازت ہے......بس اسکی یہ بات میرے لیے آخری بات تھی۔۔۔جو تین طلاقوں سے بھی بڑھ کر تھی، میں بچوں کو لے کے وہاں سے اٹھ آئی۔......(۱۰)

مندرجہ بالا اقتباس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ثریا مختلف سماجی پابندیوں کے باوجود جب اس کی کردار کشی کے حوالے سے بات کی گئی تو وہ کسی پابندی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے شوہر سے علیحدگی کا فیصلہ کر لیتی ہے۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ ثریا بحیثیت عورت اپنے قوت فیصلہ کو استعمال میں لاتے ہوئے ظلم کے خلاف اہم قدم اٹھاتی ہے۔ پورا متن ایک خاتون کردار کی بیشتر صیغہ واحد میں کہی گئی کہانی کے نقطہ نظر سے مرتب کیا ہے مگر اسے مرتب کرتے ہوئے بھی ان کا نقطہ نظر راوی کی طرف سے بیان کیا گیا ہے۔ انہوں نے یہ افسانہ اپنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نقطہ نظر کے بجائے مرد مرکزی Paradigum کے حوالے سے لکھا ہے۔ بحیثیت مصنفہ ان کا کرب تو اس افسانے کے عنوان سے ظاہر ہے۔

کچھ سوالات جن کا ذکر آغاز میں کیا گیا ہے انہیں مدنظر رکھتے ہوئے مسرت لغاری کے افسانے ''معمولی باتیں'' کا تانیثی تجزیہ کیا گیا اور اب انہی سوالات کے تحت اب ایک مرد افسانہ نگار سفید و سیاہ (غلام عباس) کے افسانے کا تانیثی تجزیہ کیا جائے گا۔

☆ کہانی میں عورت کا کردار اور سماجی حیثیت کیا ہے؟ افسانہ ''سفید و سیاہ'' کا مرکزی کردار ڈھلتی عمر کی ورکنگ ویمن میمونہ ہے۔ جو مڈل سکول کی استانی ہوتی ہے۔ بڑی بہن کی شادی اور والد کی وفات کی بعد وہ بورڈنگ ہاوس رہنا شروع کر دیتی ہے۔ اس کی زندگی سکول سے بورڈنگ ہاوس کے درمیان ایک گھن چکر کیطرح گزرتی ہے۔ غلام عباس نے ایسی عورت کا کردار پیش کیا ہے جو باشعور، تعلیم یافتہ ہو کر بھی پسند کی زندگی گزارنے پر قادر نہیں ہے۔ عورت کا باطنی کرب، ذہنی کیفیات، آزادی میں بھی قید، مشرقی عورت کے مسائل ملتے ہیں۔ حسن عسکری اپنے مضمون ''جدید عورت کی پرنانی'' میں لکھتے ہیں کہ

''عورت چاہے اپنی جنسیت کو معطل کر کے مرد بننا چاہے، لیکن رہتی ہے عورت ہی۔۔۔'' (۱۱)

☆ عورت اگر اپنے کردار کو نبھاتے ہوئے خوش نہیں ہے تو اس کی وجوہات کیا ہیں؟ میمونہ اپنے آپ کو شعبہ تدریس میں ہمہ وقت مصروف رکھتی ہے کیوں کہ اس کی زندگی میں کوئی تفریح نہیں ہوتی جس سے وہ لطف حاصل کر سکے۔ اس لیے وہ خود کو ذہنی طور پر سکول کے متعلقہ امور میں مصروف رکھتی تھی۔ اسکے شب و روز مسلسل ایک ہی ڈگر پر چل رہے تھے، وہ زندگی کی اس یکسانیت سے بیزار دکھائی دیتی ہے۔ وہ اپنی بے رنگ زندگی میں خوشگوار تبدیلی کی خواہش مند ہوتی ہے۔ ایسے بدلاؤ کی خواہشمند ہوتی ہے جو اس کی روح کی گہرائیوں میں اتر جائے۔

☆ کہانی میں عورت کے جملہ مسائل کیا ہیں؟ پدرانہ معاشرہ عورت کی آزادی اور خودمختاری کو قبول نہیں کرتا ہے وہ برداشت نہیں کر سکتا کہ عورت اپنی زندگی کا کوئی فیصلہ کرے یا اپنی جنسی صلاحیت، جذبات کا خود اظہار کرے۔ اس مقصد کے لیے بچپن سے ہی لڑکی کو ایسی تعلیم دی جاتی ہے کہ گھر کے اندر، سکول میں، دوسروں کا کہنا مانے، فرمانبردار ہو، اطاعت گزار ہو، قربانی کے جذبے سے سرشار ہو۔ خود عورت کو اپنے جذبات کے اظہار سے روک دیا جاتا ہے۔ ایسے میں اکثر خواتین ذہنی انتشار اور کسمپرسی میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ جیسے اس افسانے میں میمونہ کی زندگی سے واضع ہے

اپنی بے رنگ زندگی سے سخت دل برداشتہ ہو جاتی مگر پھر سوچتی عمر پڑی ہے کیا پتہ بہتری کی صورت نکل آئے۔۔۔ اسی طرح دس سال بیت گئے۔۔۔ اسکول میں وہ لڑکیوں کو بار بار جھڑکتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہی کسی کام میں جی نہ لگا، سر شام آ کر بستر پہ لیٹ کر اپنی حالت پر غور کرنے لگی سوچتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچی کہ اس کی جوانی ڈھلنے کی وجہ یہ ہے کہ اسے اپنی زندگی سے کوئی خوشی حاصل نہیں ہوئی، اسے کسی سے انس نہیں، لگاؤ نہیں......(۱۲)

مندرجہ بالا اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ عورت کے مسائل جن کو نسائی جبلت اور جذبے کو متنوع پہلوؤں کو زبان دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ تنہائی اور محرومیوں کا شکار عورت کی زندگی کے بارے میں یہی کہنا کافی ہوگا کہ ایک جوان اور بھرپور عورت محض معاشی سطح پر خود کفیل ہونے کی وجہ سے اپنی زندگی اکیلے نہیں گزار سکتی بلکہ اسے ایک بھرپور مرد کی ضرورت ہوتی ہے۔

☆ کیا سٹیریو ٹائپ کردار پیش کیا گیا ہے؟ کہانی میں میمونہ کا کردار سٹیریو ٹائپ پیش کیا گیا ہے جب وہ اپنی اکتاہٹ سے بھرپور زندگی سے فرار کی تلاش میں ہوتی ہے تو اس دوران اسکی بہن دس برس بعد خط لکھ کر اسے کچھ عرصے کے لیے اپنے پاس بلا لیتی ہے۔ یوں دوران سفر کے حالات، دہلی پہنچ کے طویل مدت بعد بہن سے ملاقات، مختلف مقامات کی سیر و تفریح، پارکوں میں، ریستورانت میں مردوں عورتوں کا آزادانہ میل جول، اور سب سے بڑھ کے خود عورتوں کا اکیلے گھومنا پھرنا وغیرہ ان سب چیزوں سے وہ بہت متاثر ہوئی۔ اور اپنے اندر ایسی تبدیلیاں لانے کی کوشش کی اکیلے باہر جانا بننا سنورنا، لیکن وہ اس تبدیلی کو زیادہ دیر برقرار نہیں رکھ سکی۔ کیونکہ اس کی شخصیت متوسط طبقے کا ایک ایسے ماحول کا شاخسانہ بن چکی تھی جس سے وہ چاہ کر بھی نہیں نکل پائی۔ پدری نظام معاشرت کے تعصبات اس کے وجود میں اس قدر سرایت کر چکے تھے کہ وہ ان کا حصہ بن چکی تھی۔ وہ ان تمام لگے بندھے اصولوں پر چل رہی تھی جو پدری معاشرت میں ایک باحیا عورت کے لیے مخصوص کردہ ہیں۔

☆ کیا عورت کی محض جسمانی پیشکش ہے یا اس کی اپنی بھی کوئی سوچ نمایاں ہے؟ اس کہانی میں عورت کی جسمانی پیشکش کے ساتھ ساتھ اس کی اپنی سوچ بھی نمایاں ہے مگر پدرانہ سماج کی پختہ بنیادوں کی وجہ سے زیادہ نہیں ہے مثلاً جب وہ اپنی زندگی میں تبدیلی لانا چاہتی ہے اور لاتی بھی ہے اس کے باوجود وہ اپنے اس بدلاؤ کو زیادہ دیر تک نہیں رہنے دیتی۔ افسانے کا پورا متن ایک خاتون کردار کی بیشتر صیغہ واحد میں کہی گئی کہانی کے نقطہ نظر سے مرتب کیا گیا ہے مگر اسے مرتب کرتے ہوئے بھی ان کا نقطہ نظر راوی کے بجائے خود ان کا اپنا رہتا ہے۔

☆ کیا عورت کا کردار روایتی دیکھایا گیا ہے یا سماج سے بغاوت کے عناصر بھی ملتے ہیں؟ ''سفید و سیاہ'' افسانے میں عورت کا روایتی کردار دیکھایا گیا ہے لیکن ساتھ ہی اس کردار میں سماج سے بغاوت بھی نظر آتی ہے۔ اپنی خیالی زندگی کے اصولوں کو وہ بڑی چاہت کے ساتھ حقیقی زندگی پر عائد کرتی ہے۔ جب میمونہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دہلی کے آزادانہ ماحول سے متاثر ہو کر سیلون جا کر بنتی سنورتی ہے، اپنے بالوں، جن میں سفیدی آگئی تھی سیاہ کرواتی ہے۔ خود یہ روپیہ خرچ کرتی ہے، بازار میں خلاف روایت اکیلی گھومتی پھرتی ہے ایک لڑکا اس کا پیچھا کرتا ہے، اسکے یوں پیچھا کرنے پر یہ دل ہی دل میں بہت خوش ہوتی ہے۔ انسانی جبلی خواہشات کے بارے میں عذرا سلیم نے اپنی کتاب میں یونگ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا کہ

> یونگ نے کہا کہ ہر انسان اپنے معاشرتی کردار کے لیے اپنے اوپر سو سو طرح کے نقاب چڑھائے رکھتا ہے۔ ایک ہی انسان مختلف حیثیتوں میں اور مختلف رشتوں میں اتنے مختلف کردار ادا کرتا ہے کہ اس کی اصل شخصیت نظر ہی نہیں آتی۔ وہ آنکھیں بند کر کے معاشرے کے طے کردہ اصولوں کے مطابق چلتا رہتا ہے یا اسے مجبوراً ایسا کرنا پڑتا ہے مثلاً معاشرے نے صدیوں کے انسانی خیالات، رسم و رواج اور تجربے سے بعض اوصاف کو مردانہ قرار دے کر مردوں کے لیے مخصوص کر رکھا ہے جب کہ بعض خصوصیات عورتوں کے لیے مخصوص سمجھی جاتی ہیں۔ (۱۳)

زیر نظر اقتباس سے اس نظریے کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے کہ مخصوص سماجی رویوں سے جہاں انحراف کیا جائے گا وہیں مسائل جنم لیتے ہیں مثلاً میمونہ اگلے روز پھر اس لڑکے کے لیے بن سنور کر جاتی ہے۔ افسانے میں یہ بغاوتی عنصر نظر آتا ہے بہ ظاہر میمونہ کا یہ رویہ ناپسندیدہ ہے اور ہماری سوسائٹی کے مروجہ اصولوں کے خلاف ہے۔ جو عورت ان ضابطوں کو توڑتی ہے اسے بدچلن، بدکردار، آزاد خیال اور دیگر ان منفی القاب سے نوازا جاتا ہے۔ میمونہ اگرچہ اصول توڑتی ہے لیکن پھر خود ہی اپنی اس آزاد خیالی کو چھوڑ کر پرانی روایتی زندگی میں لوٹ جاتی ہے۔ عورت کو بے عقل کہا جاتا ہے، لیکن عورت اپنی جبلی توانائیوں کو ان کے فطری اظہار سے ہٹا کر اگر عقل کے راستے پر ڈال دے تو اس کے منطقی پن کا جواب نہیں ہوتا۔ عورت کو مرد چاہے جس راستے پر ڈال دے لیکن جب وہ چل پڑ جاتی ہے تو منطق پر بڑی بے رحمی سے عمل کرتی ہے کہ مرد بھی بلبلا اٹھتا ہے۔ ملاحظہ کریں

> ......سو روپے کے یوں بے کار ہونے، بے مصرف اٹھ جانے پر اسکا دل بھر بھر آتا تھا۔ کیا یہ اچھا نہ ہوتا کہ وہ اس کا کوئی زیور بنالیتی جو آرے وقت میں اس کے کام بھی آتا...... (۱۴)

مندرجہ بالا بحث اور اقتباسات کو مدنظر رکھا جائے اور مجموعی طور پر مسرت لغاری اور غلام عباس کے افسانوں کا تانیثی تجزیہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ موضوع اگرچہ مشترک ہے مگر بحیثیت مرد و عورت دونوں کا انداز فکر اور طرز بیان الگ ہے۔ مسرت لغاری کا افسانہ ''معمولی باتیں'' جو کہ عنوان سے ہی ظاہر ہے کہ پدرانہ معاشرے پر گہرا طنز ہے کہ معاشرے میں خواتین اور خواتین کے مسائل کے متعلق عمومی رویہ یہی پایا جاتا ہے کہ یہ معمولی باتیں ہیں۔ ان کے مسائل کو اہمیت نہیں دی جاتی ہے۔ مصنفہ نے اپنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تیئں پوری کوشش کی ہے کہ اپنے کردار کے ذریعے جو کہ ان پڑھ لڑکی ہے کم عمری میں شادی اور شوہر کیطرف سے مختلف ظلم و ستم برداشت کرتی ہے۔اس سب کے باوجود سوچنے سمجھنے اپنی رائے کے اظہار کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے۔باہمت ہے، حوصلہ مند ہے۔پدرسری سماج میں رہتے ہوئے اپنے لیے فیصلہ کرنے کی قوت رکھتی ہے۔مرد کی بہ نسبت عورت میں جبلتوں کا ارتکاز کہیں زیادہ ہوتا ہے اس کی ساری توجہ ایک چیز پہ جم کے رہ جاتی ہے اور دوسری چیزیں نظر سے غائب ہو جاتی ہیں۔خواہ اس کی توجہ کا مرکز بچہ ہو یا گھر بار یا موٹر یا بادشاہی۔اسی لیے عورت کا ارادہ مرد سے کہیں زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔جبکہ غلام عباس کے افسانے ''سفید و سیاہ'' میں عورت پڑھی لکھی، معاشی طور پر خودکفیل ہے لیکن اپنے لیے فیصلہ لینے کی قوت نہیں رکھتی ہے۔اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس عورت کا کردار ایک مرد کے قلم سے لکھا گیا، اس کو قلم بند کرتے ہوئے انہوں نے اپنے معیارات کے مطابق عورت کا روایتی کردار پیش کیا کہ عورت چاہے جتنی پڑھ لکھ جائے اپنے حق میں فیصلہ نہیں کر سکتی، یہاں عورتوں کے بارے میں طنز کا عنصر نمایاں ہے مزید یہ کہ اگر عورت پدرسری سماج اور اس کے مروجہ اصولوں سے بغاوت کرے گی تو اسے میمونہ کی طرح پچھتاوے کا سامنا کرنا پڑے گا۔بقول ڈاکٹر عصمت جمیل مجموعی طور پر غلام عباس کے افسانے عورت کی بے بسی کو ہی پیش کرتے ہیں۔وہ حالات کے جبر کا شکار ہوتی ہے اور حالات کے مطابق ڈھلتی جاتی ہے۔(۱۵)

مندرجہ بالا اقتباس کو سامنے رکھا جائے تو زیرِ نظر افسانہ ''سفید و سیاہ'' کو مرتب کرتے ہوئے غلام عباس کا نقطہ نظر راوی کے بجائے خود ان کا اپنا رہتا ہے۔ایک نسائی تشخص کے باوجود راوی انہی اقدار کا حامل ہوتا ہے جو اصلاً مرد اساس ہیں۔

❀……❀……❀

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوالہ جات

۱۔ حسن عسکری، محمد، مجموعہ محمد حسن عسکری (جدید عورت پر نانی)، ۲۰۱۵ء، وقت راگنی، ص ۶۰۶

۲۔ عاصمہ سید، ڈاکٹر، عورت اور سماج، بیکن بکس، ملتان، ۱۹۹۲ء، ص ۵۴

۳۔ ڈاکٹر عصمت جمیل، نسائی شعور کی تاریخ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۱۲ء، ص ۸۶

۴۔ عابدہ انجم، ڈاکٹر، عورت کیا ہے؟، تاج اینڈ کمپنی پبلیشرز، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۳۹

۵۔ ناہید، کشور۔ (۱۹۹۶ء)۔ خواتین افسانہ نگار ۱۹۳۰ء سے ۱۹۹۰ء تک۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز۔ ص ۱۲۲

۶۔ ایضاً ۱۲۲

۷۔ Judith Fetterliy; On the politics of literature;Literary theory;P-564

۸۔ ناہید، کشور۔ (۱۹۹۶ء)۔ خواتین افسانہ نگار ۱۹۳۰ء سے ۱۹۹۰ء تک۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز۔ ص ۱۶۶

۹۔ اختر حسین رائے پوری، زبان بے زبانی، مجموعہ محبت ونفرت، اردو اکیڈمی کراچی، ۱۹۵۹ء، ص ۲۴

۱۰۔ ناہید، کشور۔ (۱۹۹۶ء)۔ خواتین افسانہ نگار ۱۹۳۰ء سے ۱۹۹۰ء تک۔ لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز۔ ص ۱۶۶

۱۱۔ حسن عسکری، محمد، مجموعہ محمد حسن عسکری (جدید عورت پر نانی)، ۲۰۱۵ء، وقت راگنی، ص ۶۱۱

۱۲۔ حسین، انوار۔ (۲۰۰۰ء)۔ بیسویں صدی کے بہترین افسانے۔ لاہور: معراج دین پرنٹرز۔ ص ۸۹

۱۳۔ عذرا سلیم، عورت، سماج اور نفسیات، ۲۰۰۲ء، عصمت پریس، کراچی، ص ۱۵۶

۱۴۔ حسین، انوار۔ (۲۰۰۰ء)۔ بیسویں صدی کے بہترین افسانے۔ لاہور: معراج دین پرنٹرز۔ ص ۷۸

۱۵۔ ڈاکٹر عصمت جمیل، نسائی شعور کی تاریخ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۱۲ء، ص ۱۷۲

© rasailojaraid.com